Dareecha-e-Tahqeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 3, Issue 4
www.dareechaetahqeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

ڈاکٹر عبدالواجد تبسم
اسسٹنٹ پروفیسر اردو شعبہ پاکستانی زبانیں اسلام آباد

اقبال اور سلیم احمد کے ذہنی روابط: تجزیاتی مطالعہ

Dr. Abdul Wajid Tabasim
Assistant Professor Urdu Department of Pakistani Languages Islamabad

Intellectual Connections of Iqbal and Saleem Ahmad: An Analytical Study

Salim Ahmad is a renowned Urdu poet and critic of Urdu literature. He is famous for his creative writings in which he analyzes the classical poets in different ways. One can disagree with his point of view but his questions can not be denied which he raises about the poetry of Iqbal whom he considers his favourite poet. In his writings and poetry we can see the influence of Iqbal's poetry and thought. He has written the book " Iqbal ak shair" in which he has raised many questions about the poetry and thought of Iqbal. This article is the study of intellectual connections of Iqbal and Salim Ahmad.

Keywords: critic , analyzes, classical poets, influence,

اقبال وہ عظیم مفکر اور شاعر ہیں کہ جن پر ان کی زندگی اور وفات کے بعد بہت کچھ لکھا گیا۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جنوبی ایشیا کے مسلم عوام کے علاوہ ہندو اور مسلمان اہل دل اور اہل نظر انھیں اپنی فکری توجہات کا مرکز بنائے رکھتے تھے۔

۱۹۷۷ء میں ذخیرۂ اقبالیات میں بے حد اضافہ ہوا۔اس کے بعد تو ''اقبالیات'' ایک مستقل قومی موضوع بن چکا ہے۔ محققین و ناقدین نے اقبال کی شخصیت اور فکر کے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا تاہم اقبالیات کا موضوع ایسا ہے کہ اس پر تشنگی کا عنصر برقرار رہتا ہے۔فکر اقبال کا مطالعہ مختلف جہات سے کیا گیا ہے اس ضمن میں شرح و تشریح سے لے کر فکر اقبال کی اتھاہ گہرائیوں تک بھی پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے۔اقبال شناسی کی اس روایت میں سلیم احمد کا نام اہم ہے کہ جنھوں نے ایک منفرد انداز سے فکر اقبال کا سراغ لگانے کی اپنی سی کوشش کی ہے۔اگر سلیم احمد کی شخصیت و فکر کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ اول و آخر فکر اقبال سے متاثر رہے۔ان کی اقبال سے محبت کا اندازہ ان کی تقریباً سبھی تحریروں سے ہوتا ہے۔ان کی کوئی ایسی تحریر نہیں ہے جو کسی نہ کسی صورت میں فکر اقبال سے متاثر نہ ہو۔وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''میں اقبال کو برصغیر کے عظیم ترین لوگوں میں سے سمجھتا ہوں بلکہ پورے ایشیا میں ان کی شخصیت کئی اعتبار سے نمایاں ترین اہمیت کی حامل ہے۔'' (1)

اسی طرح ان کے ۱۲ جون ۱۹۸۱ء کے خط بنام نظیر صدیقی سے بھی ان کے اقبال سے والہانہ عشق کا پتہ چلتا ہے۔اپنی اقبال کے حوالے سے تصنیف ''اقبال-ایک شاعر'' کے دیباچے میں انھوں نے اپنے اقبالی ہونے کا نہ صرف اعتراف کیا ہے بلکہ اپنی کچھ نظمیں اور اشعار پیش کر کے یہ بات واضح کی ہے کہ وہ ایک عرصہ تک اقبال کی محبت کے سحر میں گرفتار رہے ہیں۔ان کی محبت کا یہ سحر اس وقت ٹوٹتا ہے جب وہ حسن عسکری سے ملتے ہیں۔اس کے بعد ان کی اقبال سے محبت اقبال شکنی کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے۔

سلیم احمد کے اقبال سے متعلق نظریات کو سمجھنے کے لیے سلیم احمد اور محمد حسن عسکری کا تقابلی جائزہ ضروری ہے کیونکہ سلیم احمد، حسن عسکری کے شاگرد معنوی ہیں۔اس لیے وہ حسن عسکری کے اسلوب اور نظریات دونوں سے متاثر ہیں۔اس خیال کو تقویت یوں بھی ملتی ہے کہ سلیم احمد نے اپنی تحریروں میں اگر کسی کی غیر مشروط عزت کی ہے تو وہ بھی حسن عسکری ہیں۔ سلیم احمد نہ صرف محمد حسن عسکری کے اسلوب سے متاثر ہیں بلکہ انھیں اپنا سب کچھ تصور کرتے ہیں۔اسی لیے اپنے تنقیدی سفر کے آغاز تا اختتام تک فکر عسکری سے بندھے نظر آتے ہیں۔ فکر اقبال کو سمجھنے کے لیے سلیم احمد نے جو طریق کار اختیار کیا ہے وہ بھی محمد حسن عسکری کی دین ہے۔ جس

۔طرح عسکری ادیب یا شاعر کے باطن میں اتر کر اس کے یہاں مرکزی مسئلہ تلاش کرتے ہیں اسی طرح کا انداز سلیم احمد کا بھی ہے۔

سلیم احمد کی اقبال سے متعلق تحریریں ''اقبال-ایک شاعر''، ''ضرب کلیم شاعری یا فلسفہ''، ''اقبال اور ہند اسلامی تہذیب'' کی صورت میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ علاوہ ازیں ان کے اکثر مضامین میں اقبال ایک بھرپور حوالے کی صورت میں موجود ہیں۔ وفات سے قبل وہ ''خطبات'' کے حوالے سے بھی کام کرنا چاہتے تھے مگر زندگی نے رفاقت نہ کی۔

سلیم احمد کا انداز تحریر تحقیقی نوعیت کا نہیں ہے بلکہ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ تحریر کی تخلیقی حیثیت برقرار رکھی جائے۔ ''اقبال-ایک شاعر'' میں بھی کچھ ایسا ہی رویہ روا رکھا گیا ہے۔ بلکہ خود ان کا کہنا ہے کہ کتاب لکھتے وقت حافظہ کے سوا اور کوئی مواد میرے پاس موجود نہ تھا۔ اس پس منظر کو دیکھتے ہوئے سلیم احمد کے مطالعے اور زود نویسی کی داد دینی پڑتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے ذہن کے نہاں خانے میں کس کس زاویے سے اقبال کے متعلق غور و فکر کیا ہو گا اور جب خیالات کے تانے بانے اچھی طرح ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو گئے ہوں گے تو انھوں نے اسے ایک صورت دے دی ہو گی۔

سلیم احمد کا کہنا ہے کہ یہ کوئی رسمی نوعیت کی کتاب نہیں بلکہ ان کے ذہن میں اقبال کے متعلق کچھ بنیادی سوالات تھے جو اقبال کے خصوصی مطالعے سے پیدا ہوئے۔ انھوں نے ان سوالات کا جواب اپنے مخصوص انداز میں دیا ہے۔ وہ کتاب کے آغاز ہی میں اقبال سے متعلق اپنی رائے قائم کر لیتے ہیں اور دیگر اقبالی محققین اور ناقدین سے اختلاف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کیونکہ کتاب کا اولین جملہ ہی اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اقبال کے بارے میں ہماری تنقید دل میں چور رکھ کر بات کرنے کی عادی ہو چکی ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ ہم اقبال کے ضمن میں مداحی کے رویے سے آگے نہیں بڑھے۔ اس حوالے سے جو کام ہوا ہے وہ نوے فیصد خیالات و نظریات کی تشریح ہے۔ علاوہ ازیں اقبال کو تقریباً سبھی حوالوں سے دیکھا گیا ہے مگر بحیثیت شاعر ان کا مطالعہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس لیے سلیم احمد نے اقبال کے باطن میں اتر کر اقبال کی شاعری کے سرچشمے کا سراغ لگایا ہے۔

اتنے دعوؤں کے بعد جب کتاب پر نظر پڑتی ہے تو بہت حد تک مایوسی ہوتی ہے۔ سلیم احمد ان دعوؤں کو سچ ثابت نہیں کر سکے کیوں کہ انھوں نے بغیر کسی ضروری تیاری کے ایک بڑے کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔

انھوں نے نفسیات کے ایک فرسودہ نظریے تحلیل نفسی کے تحت اقبال کے افکار کا سرچشمہ دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نفسیاتی اصول کے مطابق اقبال کے افکار، ذاتی زندگی، پیشے میں ناکامی، ازدواجی زندگی کے مسائل، تصور مرگ، معاشی ناآسودگی، جنسی امراض، بے عملی، جذبے کے بجائے تصورات، خیالات کے آئینہ دار ہیں۔ سلیم احمد کو یہ خرابیاں اقبال کی ذات سے وابستہ نظر آتی ہیں۔ علاوہ ازیں فکر اقبال پر اعتراض کا ایک الگ سلسلہ نظر آتا ہے۔

سلیم احمد نے کتاب کے آغاز ہی میں یہ طے کر لیا تھا کہ اقبال سے متعلق ہمارا رویہ مدح سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ چنانچہ انھوں نے آغاز ہی میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اقبال کے کسی بھی پہلو کی مدح نہیں کریں گے۔ وہ اپنے اس فیصلے پر اس قدر سختی سے کاربند نظر آتے ہیں۔ سلیم احمد نے اس کتاب سے ہٹتے ہوئے دیگر مضامین میں بعض جگہ اقبال کی تحسین بھی کی ہے مگر یہ رویہ زیادہ تر دبا دبا سا رہتا ہے۔

نفسیاتی تجزیے کے لیے ضروری ہے کہ زیر تجزیہ شخص کی زندگی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات ہوں۔ اگر وہ شخص زندہ ہے تو کئی نشستوں میں اس کے انٹرویو کیے جانے چاہئیں۔ اگر وہ دنیا سے رخصت ہو چکا ہے تو اس کے بارے میں ہر ممکنہ شہادت فراہم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے مگر فاضل مصنف نے انتہائی کم معلومات اور انتہائی کم وقت میں ایک عظیم مفکر اور شاعر کا نفسیاتی تجزیہ بھی کر ڈالا۔

کچھ اسی طرح کا نفسیاتی تجزیہ سلیم احمد نے محمد حسن عسکری کا بھی کیا ہے مگر اس ضمن میں ان کا رویہ زیادہ تر توصیفی ہے۔ اگر ان دونوں ''نفسیاتی جائزوں'' کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک طرف مدح ہی مدح ہے اور دوسری طرف ذم ہی ذم۔ اس راز کا سمجھنا بہت ہی مشکل ہے کہ جو نقاد غالب اور اقبال جیسے شعراء کو خاطر میں نہیں لاتا وہ حسن عسکری کا اس قدر معتقد کیوں ہے۔

سلیم احمد کی تحریروں کا اگر ایک سرسری سا جائزہ بھی لیا جائے تو تین چار باتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ ان میں سرفہرست چونکانا ہے۔ اس ضمن میں نظیر صدیقی لکھتے ہیں:

’’سلیم احمد کو عمر بھر چونکانے کی عادت رہی آخر کار انھوں نے اس دنیا سے گزرنے کا بھی وہی طریقہ اختیار کیا جو لوگوں کو چونکا دے۔ رات کو سوئے تو صبح کو اٹھے ہی نہیں۔ زندگی کی نیند کو موت کی نیند سے ملادیا۔‘‘(۲)

یہ چونکانا ہی سلیم احمد کے اسلوب کی ایک خاص پہچان ہے۔ ان کے مضمون کا آغاز ہی ایسے جملے سے ہوتا ہے جو پڑھنے والوں کو چونکا دیتا ہے:

’’اقبال کے بارے میں ہماری تنقید دل میں چور رکھ کر بات کرنے کی عادی ہو چکی ہے۔‘‘ (اقبال۔اقبالیات اور ہم)

’’آپ نے اقبال کی وہ تصویر دیکھی ہے جس میں وہ شال اوڑھے ہوئے آنکھیں بند کیے ہوئے، کچھ مراقبے کی کیفیت میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ تصویر آپ کو کیسی لگتی ہے؟‘‘ (اقبال کی ایک داخلی تصویر)

’’عورت کی طرح شاعری بھی پورا آدمی مانگتی ہے۔‘‘ (نئی نظم اور پورا آدمی)

’’جس طرح پرانے زمانے میں لوگوں پر جن آتے تھے اسی طرح ہمارے زمانے کے اکثر لوگوں پر لفظ آتے ہیں۔‘‘ (تہذیب کا جن)

تمہیدی جملوں کے علاوہ مضمون کا عنوان بھی کچھ اس انداز کا ہوتا ہے کہ پڑھنے سے پہلے ہی قاری چونکنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مضمون کے درمیان میں بھی یہ سلسلہ برقرار رہتا ہے۔ سلیم احمد کی تحریروں کی ایک اور اہم بات فقرے بازی ہے۔ سلیم احمد بھی فقرے بازی کے لیے بہت مشہور ہیں۔ فقرے بازی کے حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

’’فقرہ بازی اسلوب میں Liberty لینے کے مترادف ہے۔ تنقید کا فریضہ علمی ہے اور اس سے تنقیدی تحریر کے اسلوب کی حدود کا بھی تعین ہوتا ہے یعنی سنجیدگی ہو، متانت ہو، شائستگی ہو۔ یہ سب درست ہے اور اکثریت اس طرح لکھتی ہے لیکن اگر معاملہ عسکری یا سلیم احمد جیسے انفرادیت پسند افراد کا ہو تو انھیں مروج اسلوب کے سانچے میں نہیں ڈھالا جاسکتا۔ جس طرح تندی صہبا سے آبگینہ پگھل جاتا ہے اسی طرح جودت طبع یا تیز ذہانت اپنے اظہار کے دیگر ذرائع کے ساتھ ساتھ فقرہ بازی کے ذریعہ سے بھی مروج اسلوبی سانچے توڑنے کی کوشش کرتی ہے۔‘‘(۳)

سلیم احمد نے بھی ’’فقرہ بازی‘‘ میں اجتہاد سے کام لیا ہے۔ ان کے فقرے عام طور پر چلبلے ہوتے ہیں اور پڑھنے والے کو چونکاتے ہیں۔ اس سے مصنف کی شخصیت اور اسلوب کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے:

’’ہاتھی پھرے گائوں گائوں، جس کا ہاتھی اس کا نائوں اور اس سے کون انکار کرے گا کہ نظم جدید کا ہاتھی سب سے پہلے میراجی اور راشد نے نکالا۔‘‘ (نئی نظم اور پورا آدمی)

سلیم احمد فقرہ کو دودھاری تلوار کی مانند اپنے دفاع کے لیے بھی استعمال کرتے تھے اور دوسروں کو کاری زخم لگانے کے لیے بھی مثلاً:

’’اقبال کا یہی عمل ان کی حقیقی عظمت ہے۔ ان کا الیکشن لڑنا اور قومی کانفرنسوں میں شریک ہونا نہیں کیونکہ یہ کام تو مولانا کوثر نیازی بھی کر لیتے ہیں۔‘‘(اقبال۔ایک شاعر)

سلیم احمد کی تحریروں کا ایک اور اہم پہلو نظریہ سازی یا کلیہ سازی ہے۔ وہ کسی بھی تحریر کے آغاز میں کوئی کلیہ بنا لیتے ہیں اور پھر اسی کے سانچے میں رہتے ہوئے کسی نظریے یا شخصیت کو پرکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ ہی نظریہ سازی جہاں ان کی قوت بنتی ہے وہیں یہ ان کی سب سے بڑی کمزوری بھی ہے۔ وہ بعض اوقات کلیہ پہلے مرتب کرتے ہیں اور اس کے اطلاق کی فکر بعد میں کرتے ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ وہ ادیب یا شاعر کے یہاں سے ایسے عناصر کا انتخاب کرتے ہیں جو ان کے کلیے کی تصدیق کر سکیں اور ایسے عناصر سے عمداً اعتنا نہیں کرتے جو ان کے نظریے سے مطابقت نہیں رکھتے یہیں پہنچ کر ان کی تنقید میں ناہمواری اور یک رخا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ ’’نئی نظم اور پورا آدمی‘‘ اور دوسری بہت سی تحریروں میں یہ ہی یک رُخا انداز کارفرما نظر آتا ہے۔ اسی یک رُخے رویے کے خلاف شمیم احمد کو اپنی کتاب ’’۲+۲=۵‘‘ میں بہت کچھ لکھنا پڑھا۔ اس حوالے سے تحسین فراقی لکھتے ہیں:

’’سلیم احمد نے اختر شیرانی اور ان کی نسل کے بعض دیگر شعراء کے باب میں ایک کلیہ قائم کر لیا۔ اس لیے اس کلیے کی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے اختر اور ان کی نسل کے شعراء کے محض اسی قدر کلام سے اعتنا کیا جو ان کے کلیے کی تصدیق کر سکے اور باقی کو درخور اعتنا نہیں سمجھا، یہیں آ کے سلیم احمد کی تنقید ٹھوکر کھاتی ہے۔ سلیم احمد کی تنقید کا یہ یک رُخا پن صرف ’’نئی نظم اور پورا آدمی‘‘ تک محدود نہیں بلکہ ’’ادھوری جدیدیت‘‘، ’’غالب کون‘‘ اور ’’اقبال۔ایک شاعر‘‘ تک میں ان کے متعدد شواہد تلاش کیے جاسکتے ہیں۔‘‘(۴)

سلیم احمد کی یہ نظریہ سازی یا کلیہ سازی کا ردعمل فوری ہوتا ہے اور پھر اس کے اطلاق کے لیے وہ ایسے بے چین ہو جاتے ہیں کہ انھیں گرد و پیش کی خبر نہیں رہتی۔ درج ذیل اقتباسات سے بات بخوبی واضح ہو گی:

''نئی شاعری کی تمام قسموں میں، ان کے تنوع اور اختلاف کے باوجود ایک چیز مشترک ہے ''نامقبولیت'' آپ اسے پسند کریں یا ناپسند اس سے خوش ہوں یا ناراض، اس پر شرمندہ ہوں یا نازاں، نئی شاعری تمام کی تمام نامقبول شاعری ہے۔''

(نئی شاعری، نامقبول شاعری)

''عسکری صاحب نے لکھا ہے کہ ہم مذہب کا لفظ صرف جذباتی تاثر پیدا کرنے کے لیے نہ لیں اور اسے اس کی ٹھوس شکل میں دیکھیں تو یہ چار چیزوں کا مجموعہ ہوتا ہے، عقائد، عبادات، رسوم اور ان تینوں میں جذبات کی آمیزش۔" (اقبال اور ہند اسلامی تہذیب)

''محمد حسن عسکری نے کسی جگہ ''مسجد قرطبہ'' کو اردو شاعری کا تاج محل کہا ہے۔ ''

(اقبال کا معجزۂ فن)

''مجھے ریاضی کی ایک پیچیدہ مساوات حل کرنی ہے۔ یہ کام عقل کا ہے یا عشق کا؟ عشق والے تو شاید ریاضی کا نام سن کر درد سر میں مبتلا ہو جائیں۔'' (اقبال کا جہاد)

سلیم احمد کی تحریروں میں قیاسات اخذ کرنے کا رجحان ابتداء ہی سے موجود تھا جو ان کی آخری زمانے کی تصانیف تک بدستور نظر آتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ قیاسات ہر صورت میں غیر مفید ہی ہوں۔ بعض اوقات قیاسات کسی مسئلے یا شخص کے ضمن میں راہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ جس سے بہت سے مسائل کے حل ہونے میں مدد ملتی ہے لیکن جب یہ طریق کار ایک حد سے آگے بڑھ جائے تو اس کے خطرناک نتائج بھی برآمد ہو سکتے ہیں۔ سلیم احمد کے ہاں قیاسات کا یہ معاملہ حدِ اعتدال سے آگے بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ''اقبال-ایک شاعر'' میں لکھتے ہیں:

''کبھی کبھی میرے دل میں ایک خطرناک خیال آتا ہے لیکن میں کسی ذریعے سے اس کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ کیا اقبال کسی خطرناک جسمانی (جنسی؟) عارضے میں مبتلا تھے؟ ... لیکن مجھے اعتراف ہے کہ ثبوت کے بغیر اس کی حیثیت میری قیاس آرائی سے زیادہ نہیں ہے۔''

(اقبال کا ایک شعری کردار۔ شاہین)

سلیم احمد کی تنقید ان ہی قیاسات، کلیوں اور نظریوں کی دنیا ہے۔ بقول تحسین فراقی:

''سلیم احمد کے کلیوں اور نظریوں کی نارسائیاں ان کی نہایت ہنگامہ خیز کتاب ''اقبال-ایک شاعر'' میں بھی نظر آتی ہیں۔''(۵)

سلیم احمد کی کتاب ''اقبال-ایک شاعر'' اپنی تمام تر کوتاہیوں اور قیاس آرائیوں کے باوجود اقبالیات میں ایک اہم کتاب شمار ہو سکتی ہے کیونکہ اس نے متعدد مباحث کو جنم دیا اور اقبال کو سمجھنے کے لیے ایک نیا طریق کار وضع کیا۔

اقبال سے اختلاف کرنا کوئی جرم نہیں کیونکہ اقبال کی زندگی ہی میں اکبر الہ آبادی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی اور خواجہ حسن نظامی جیسے لوگوں نے ان سے اختلاف کیا ہے مگر ان کے اختلاف کی نوعیت مثبت تھی۔ سلیم احمد کے اقبال سے اختلافات کا رویہ منفی نوعیت کا ہے کیونکہ اس کا اندازہ محمد حسن عسکری ''آدمی یا انسان'' اور ''اقبال ایک۔ شاعر'' کے موازنے سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ سلیم احمد محمد حسن عسکری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''عسکری صاحب جیسا آدمی جب بدلتا ہے تو جغرافیائی تبدیلیوں کی طرح ایک بہت بڑے طبقات الارضی انقلاب کی خبر دیتا ہے۔ یہ انقلاب کیا ہے اسے جاننے کے بغیر ہم اپنے آپ کو سمجھ سکیں گے نہ اپنے زمانے کو۔''(۶)

سلیم احمد اگر اسی انداز میں اقبال کا بھی مطالعہ کرتے تو یقیناً ایک اعلیٰ پائے کی تصنیف تخلیق کرنے میں کامیاب ہو جاتے اور اقبالی ادب میں ان کا نام زندہ و جاوید رہتا۔

حوالہ جات

۱۔ سلیم احمد، ''اسلامی نظام مسائل اور تجزیے''، کراچی: سلیم احمد ٹرسٹ، ۱۹۸۴ء ص:۲۱۳

۲۔ نظیر صدیقی، ''سلیم احمد'' مشمولہ ''راویت نمبر ۳''،لاہور، اردو بازار، ۱۹۸۷ء ص:۱۲۷

۳۔ سلیم احمد، ڈاکٹر، ''سلیم احمد۔ شخص اور نقاد''، مشمولہ ''روایت نمبر ۴''،لاہور، اردو بازار، ۱۹۸۷ء ص:۶۳۲

۴۔ تحسین فراقی، ''سلیم احمد کی تنقید نگاری''، مشمولہ ''روایت نمبر ۴''، ص:۵۸۴

۵۔ ایضاً، ص:۶۱۸

۶۔ سلیم احمد، ''محمد حسن عسکری۔ آدمی یا انسان''، کراچی، مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۲ء ص:۲۶